مُحبت کے سمُندر میں

آسیہ مِرزا

آسیہ مرزا

"سمجھ میں نہیں آتا یہ اتنے بہت سے آنسو کہاں سے آجاتے ہیں' اس کی آنکھوں میں۔" نایاب کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی۔

وہ دونوں بیڈ پر چڑھی بیٹھی تھیں۔ مائرہ بیڈ کی پشت سے لگی سر اونچا کیے لال چھولے بیٹھی تھی۔ جب کہ صبا اس کے اوپر تقریباً" چڑھی ہوئی تھی۔ اس کی انگلیوں میں باریک دھاگا لپٹا ہوا تھا' جس کو وہ حرکت دیتی مائرہ کی بھنوؤں پر مشق ستم ڈھا رہی تھی۔ اس کے جملے پر دونوں نے ایک ساتھ اسے دیکھا۔

ناولٹ

"کون رو رہا ہے؟" صبا نے انگلی میں لپٹا دھاگا ایک طرف پھینکا اور ریل اٹھا کر نیا دھاگا لپیٹنے لگی۔

"وہی جس کے پاس عقل کم اور آنسو زیادہ ہیں۔ رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی ہے۔" نایاب کھڑکی میں آکر باہر دھوپ کا نظارہ کرنے لگی۔ پھر استہزائیہ آمیز انداز میں ہنسی۔

"جیسے اس کے اس رونے دھونے سے اس کی بات مان ہی تو لی جائے گی۔ شادی نہیں کرنی محترمہ کو جنید حسن رضا صاحب سے۔"

پردے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے چہرے کو ذرا سا ان کی طرف موڑ کر گویا اطلاع فراہم کی۔ مائرہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا شیشہ ایک طرف پٹخا۔

"کیا آ۔ پھر رونا شروع کر دیا اس نے' دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا تو۔ میں جا کر دیکھتی ہوں اور ابھی شادی کون کر رہا ہے۔ صرف منگنی ہی تو ہو رہی ہے۔ ہٹو ذرا صبا۔" وہ صبا کو ایک طرف ہٹا کر جھک کر چپل پہنتی بیڈ سے اتر گئی۔

"ظاہر ہے' جس سے منگنی ہو گی اس سے شادی بھی تو ہو گی۔ اسٹارٹ پر ہی رویا جاتا ہے' اینڈ پر تو صرف م... کیا جاتا ہے؟" اس نے ایک گہری سانس بھری' ساتھ اس پر ایک نظر ڈال کر باہر نکل گئی۔

"لاؤ' تمہاری بنا دوں۔" صبا انگلیوں کو قینچی کی طرح چلاتے ہوئے بولی۔

"کیا بنا دوں۔" وہ شاید اپنے کسی خیال میں تھی۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کا مطلب سمجھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑی [illegible] کی ریل کو دیکھ کر مسکرائی۔

"تمہیں مجھے تو معاف ہی رکھو۔ ویسے دھاگا تو اچھا خاصا ہے پورے محلے کی پتنگ بو کاٹا دو گی تب بھی ختم نہیں ہوگا۔" وہ اردا "ہنسی نہیں تھی بس یونہی ہنسی پھسل گئی تھی۔"

وہ جھینپ کر رہ گئی۔

"مجھے کون سا یہ ختم تھوڑا ہی کرنا ہے وہ تو یونہی تمہاری بنا دی نہ تو نہ سہی میرے پاس کون سا فالتو وقت ہے۔"

وہ بظاہر کندھے اچکا کر کمرے سے نکلی تھی، مگر وہ جتنا جلی تھی اس کے چہرے سے ظاہر ہو گیا تھا۔ اسے جانے کیوں یکدم ہنسی آ گئی۔

"یہ لوگ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا کڑھ جل کیسے لیتے ہیں۔" وہ کرسی کی ہتھی پر ہتھیلی کا دباؤ ڈال کر اٹھی اور کمرے سے نکل کر اپنے پورشن کی طرف چل دی۔

♥ ♡ ♡ ♥
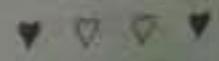
ان نیلی نیلی آنکھوں کو مجھ سے چھپا لو
مجھے زندہ رہنے دو اے حسن والو

زرینہ نے ایف ایم لگایا ہوا تھا ساتھ ساتھ مٹر بھی چھیل رہی تھی کہ نایاب بیگم نے اپنا چائے کا مگ بھر کر صحن ہی میں لے کر وہیں بیٹھ گئی۔

"تم سے گانے سنے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا ہے نا۔ آہستہ کرو آواز تمہیں پتا ہے امی کو گانوں سے سخت چڑ ہے بلکہ تمہارے اس قدیم ریڈیو کو تو وہ کسی روز چار ٹکڑے کر دیں گی۔"

"بیگم صاحب کو پتا ہے جی کہ میں ہر روز ریڈیو سنتی ہوں۔ آپ مجھے ڈرا نہیں سکتیں۔" زرینہ لاپروائی سے بولی اس نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔

"واہ بھئی کیا شان بے نیازی ہے۔" اس نے چائے کے دو تین گھونٹ بھر کر مگ ایک طرف رکھا اور مٹر اٹھا کر کھانے لگی۔

"آج مٹر پلاؤ بناؤ گی کیا؟"

"ہاں، آپ کو پسند بھی تو بہت ہے نا۔" زرینہ نے ڈیڑھ من کا سر ہلایا تو اس نے گھور کر دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہا۔ لگتا ہے تمہیں [illegible] ہے۔"

زرینہ کھسیا گئی۔ تب ہی صحن کی گرل کھول کر [illegible] نے اندر قدم رکھا۔ اس کے قدموں میں [illegible] اور تیزی تھی، جیسے کوئی توپ داغ رہا ہو اور توپ نہ سہی مگر غصہ توپ جیسا ہی تھا وہ اس کے عین [illegible] آکھڑا ہوا۔

"گل کو یہ غلط اطلاع کس نے دی کہ جنید ایک آوارہ، بدکردار، اور انتہائی شکی آدمی ہے۔ وہ [illegible] اور سفاک بھی ہے۔"

اسے اپنے سر پر گولا پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ زرینہ لرز کر ٹرے سمیت فرش سے کھڑی ہو گئی۔ مگر وہ وہیں بیٹھی رہی، پھر سنبھل کر سر اٹھایا تو وہ اسے ہی خون آشام نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

یہ سوال تو غصہ نکالنے کا ذریعہ تھا۔ ورنہ وہ اس جواب سے بھی اچھی طرح آگاہ تھا۔

"میرا خیال ہے، اسے قبل از وقت اللہ کے کرم سے ہی پتا چل گیا۔ اب سبب جو بھی بنا ہو۔ اصل مقصد تو انفارمیشن ملنا تھی۔ اور غلط اطلاع کیوں، کس نے بھی کہا ہو گا کچھ تو سچ ہو گا۔"

"شٹ اپ۔" اس نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ جلدی سے جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ کو یہ غلط اطلاع کس نے دی کہ میں نے گل سے یہ بات کی ہے۔ کیا گل نے میرا نام لیا ہے۔"

"ہاں۔ وہ کیا نام لے گی۔" وہ استہزائیہ ہنسا اور ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر سر سے پیر تک باقاعدہ دیکھا۔

"جس کی ڈگڈگی تو تمہارے ہاتھ میں ہے، تم نے منع کر دیا ہو گا تو وہ تاقیامت نہیں بتائے گی تمہارا نام۔ اس کی [illegible] سادگی [illegible] کو فائدہ اٹھانے کا موقع [illegible]

"ایسی ویسے میں جنید کو جانتا ہوں، تین سال تک ہم کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔"

"اچھا۔" اس کی حسین آنکھوں میں روشنی پھیل گئی۔

"تین سال بہت ہوتے ہیں کیا جاننے کے لیے۔" پھر ایک ہلکی سی سانس لے کر بولی۔

"علی صاحب! یہاں تو برسوں کے رشتے داروں میں بھی پہچان نہیں ہو پاتی، آپ تین سال کی واجبی سی جان پہچان پر کسی لڑکی کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"تم۔ تم کیا سمجھتی ہو خود کو۔ تمہیں بڑی پہچان ہے لوگوں کی۔" وہ دو قدم اس کی طرف بڑھا مگر وہ اس کے غصے سے قطعی متاثر نہ ہوئی بلکہ زرینہ کی طرف مڑی جو دل ہی دل میں "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔" کا ورد کرتی لرز رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سے مٹر کی ٹرے لے کر اس کی طرف بڑھائی۔

"یہ مٹر کھائیے، بہت میٹھے ہیں، فریج سے نکالے گئے ہیں۔ سو ٹھنڈے بھی ہیں، یقیناً افاقہ ہو گا۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے بظاہر اطمینان سے ٹرے لے لی، پھر یکدم اپنے پیچھے اچھال دی ہلکا سا دھماکا ہوا۔ ہرے ہرے مٹر ادھر ادھر بکھر گئے۔

اس غیر متوقع صورت حال کے لیے وہ قطعی تیار نہیں تھی۔ اس کے اعصاب پر ہلکا سا ارتعاش اٹھا۔

وہ پلٹ کر صحن سے چلا گیا۔ جاتے جاتے گرل کا دروازہ پورے زور سے بند کر کے گیا تھا کہ فریم میں لگی گرل کتنی دیر تک کانپتی رہی۔

"یہ شخص سمجھتا کیا ہے خود کو۔" وہ غصے سے لپک کر آگے بڑھی۔ پھر گرل پر لات مار کر پلٹی تو زرینہ سر جھکائے لرزیدہ ہاتھوں سے بکھرے مٹروں کو چن چن کر ٹرے میں ڈال رہی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور سلگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ امی اس دھماچوکڑی پر باہر آئیں تو زرینہ ٹرے تھامے ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے کچن کی طرف جا رہی تھی، ان کے استفسار پر اس نے پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

امی نے سن کر ایک گہری سانس بھری۔

"گئی ہوگی وہ ان کے پورشن میں اور کر آئی ہو گی کوئی الٹی سیدھی حرکت۔ کتنی بار کہا ہے یا تو اپنے مزاج کو کنٹرول میں رکھو یا پھر مت جایا کرو وہاں مگر یہ لڑکی کب سنتی ہے بس اپنی چلاتی ہے، ہے کہاں وہ اس وقت گئی تو نہیں وہیں پر۔"

"نہیں جی کمرے میں چلی گئی ہیں اپنے۔" امی نے اس کے کمرے کے بند دروازے پر نظر ڈالی۔ اور سر کو خفیف سی جنبش دے کر جھٹکا۔

♥ ♡ ♡ ♥

گل کی منگنی کے روز اسے سر جھاڑ منہ پھاڑ دیکھ کر امی کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے نایاب! میری بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ کیا کہیں گے سب کہ نایاب جل گئی اس لیے نہیں آئی۔"

"ارے واہ جلن کیسی، اسے کیا مل گیا ہے، جو میں جلوں۔"

وہ کرسی پر پاؤں ہلاتے ہوئے ہنسنے لگی۔

امی نے اسے فہمائشی نظروں سے دیکھا، پھر تولیہ اٹھا کر باتھ روم میں چلی گئیں۔ ان کے خیال میں اس سے بحث کرنا فضول تھا، جب وہ تیار ہو کر بڑے پورشن میں آئیں تو لائٹ مین کو ہدایتیں دیتا علی انہیں اکیلے دیکھ کر چونکا، پھر انہیں سلام کر کے دوبارہ کام میں لگ گیا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد —— تمام تر تیاریوں پر آخری نگاہ ڈال کر علی لان میں چلا آیا۔ اور وہیں سے ڈم ڈم کی باڑھ پھلانگ کر صحن میں آیا۔ زرینہ بی بی پورے کیل کانٹوں کے ساتھ تیار دکھائی دیں، اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر آئی۔

علی کو دیکھ کر اس نے چھت سے پوچھا۔

"علی صاحب! مہمان سارے آ گئے ہیں کیا؟"

"نہ صرف مہمان بلکہ رسم بھی ہونے والی ہے بس تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے، جاؤ جاؤ شاباش جلدی سے پہنچو۔"

زرینہ اپنی اہمیت پر پھول کر کپا ہو کر تن واحد میں باہر نکل گئی۔ جب کہ علی نے بڑے کمرے میں جھانکا تو وہ وہیں کاؤچ پر لیٹی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ ایک طرف بھنے چنوں سے بھری پلیٹ تھی جس میں سے نزاکت سے ایک ایک چنا اٹھا کر منہ میں ڈالتی جا رہی تھی۔ اس نے جھک کر پلیٹ اٹھالی اس کا ہاتھ فرش سے ٹکرایا تو چونکی۔ اور جو اس پر نظر پڑی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینی چاہیے۔" اس نے برا مان کر قریب سے دوپٹہ اٹھا کر جلدی سے اوڑھا۔

"کمرے میں، گھر یہ تو بیٹھک ہے اور اب یہ تو تمہارا قصور کہ تم بیٹھنے کے بجائے یہاں لیٹی ہو۔"

وہ جھینپ تو گئی مگر ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ برہمی کے تاثر کے ساتھ بولی۔

"ہمارا گھر ہے، مرضی چاہے لیٹیں، بیٹھیں، کہ کڑے لگائیں۔ آپ کے گھر میں کوئی کیا کرتا ہے، ہم دیکھنے آتے ہیں۔" وہ شاید اپنی جھینپ مٹانا چاہ رہی تھی۔ قمیص کی سلوٹیں درست کیں، پائنچے جھٹک کر نیچے کیے اور بالوں کی آوارہ لٹیں کانوں کے پیچھے اڑسیں۔

"سوری۔" اسے بھی شاید طنز کے چلے آنے پر ندامت ہوئی۔ اس کے سراپے سے نظریں فوراً سے پیشتر ہٹالیں۔

"میں تمہیں صرف غیرت دلانے آیا تھا کہ گل کی منگنی میں ایرے غیرے بھی شرکت کر رہے ہیں اور تم اپنا خون ہو کر بیگانگی اور غیریت کا ثبوت دے رہی ہو۔"

"اپنا خون ـــــ" وہ ہنسی۔

"ہاں نہیں" وہ خود پر ہنس رہی تھی۔ وہ ہلکی مسکراہٹ آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"میں تو صرف تمہاری عزت کا خیال کر کے آیا۔ تم شامل نہیں ہوگی تو تمہارے خلاف۔ فضول کی باتیں ہوں گی۔" ـــ نیم ـــ لڑکی کی خوشی

"جی نہیں، کسی کے پاس وقت نہیں ہے فضول بکواس کا، یہ آپ کے ذہن کی اختراع ہے۔ کسی کو کیا ضرورت پڑی اس طرح سوچنے کی۔"

"چلو کسی کو نہیں میں تو سوچوں گا کہ میری بہن کی خوشی تم سے دیکھی نہ گئی۔ چلو فٹافٹ تیار ہو کر آجاؤ۔" اس کا لہجہ حکمیہ تھا۔ وہ بھی تڑخ کر بولی۔

"ایویں آجاؤں۔ میری بلا سے آپ کا جو جی چاہے سوچتے رہیے۔" وہ کتاب کاؤچ پر اچھال کر کھڑی ہو گئی۔

"میں سوچوں گا ہی نہیں سب سے کہوں گا بھی کہ نایاب جیلس ہو گئی ہے۔ اور کہتی ہے سب کی منگنیاں شادیاں ہو جاتی ہیں ایک میں رہ گئی ہوں۔"

"کیا آ ـــ نہیں ـــ" وہ یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔ مگر علی کے چہرے پر خطرناک قسم کی سنجیدگی تھی۔ اس نے لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"کیوں کیوں نہیں کہیں گے۔ ایسی فضول بات، ایک شادیوں اور منگنیوں پر مرتی ہے میری جوتی، اور گل سے تو حسد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آپ کی بہن ضرور ہے وہ مگر آپ سے لاکھ درجے اچھی ہے اور مرضی ہے آپ کی جو کچھ کہہ دیں جو کہنا ہے۔" وہ سخت طیش کے عالم میں دروازہ دھکیل کر کمرے میں چلی آئی دماغ کی رگیں چٹختی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

ڈیک کی آواز اس کے کمرے میں بہت واضح طور پر آرہی تھی اس نے کھلی کھڑکی کی طرف نظر ڈالی۔ وہاں سے لان کی روشنیاں جگر جگر کرتی پورے ماحول کو جگمگا رہی تھیں اس نے آگے بڑھ کر دھماکے سے کھڑکی کا پٹ بند کیا تو اس کی ہنسی بے ساختہ گونجی۔

"یہی ہے چڑ اتنا حسد۔ خیر ایک بات ہے کہ میں پکڑ پکڑ کر سب سے تو نہیں کہوں گا یہ بات۔ صرف مائرہ کے کان میں کہوں گا ـــ آہستہ ـــ" وہ دروازے کے فریم میں ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک طرف رکھے گلدان کو دیکھا۔ دل شدت سے چاہا۔ یہی اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"تمہیں پتا تو ہے میں بہت ضدی ہوں اگر تم آدھے گھنٹے میں نہیں پہنچیں تو میں یہ خبر پورے شہر میں نشر کرا دوں گا۔" وہ اس کی نگاہوں کی زد میں آئے گلدان کے پاس آکر اس پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا اور اسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اصل جلن اور کڑھن کہتے کسے ہیں، کس طرح دوسروں کی باتوں پر کڑھتا ہے انسان۔ اس نے اس کی طرف سے نظریں پھیر لیں اور دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر گل کی شادی کسی اچھے آدمی سے ہو رہی ہوتی تو میں خوشی خوشی شرکت کرتی۔"

"تمہاری نظر میں "اچھے" کی اصطلاح کیا ہے، کیا معنی ہیں اچھے کے۔ جو بہت دولت مند ہو۔ اپر کلاس سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ اچھا ہوتا ہے۔" اس کی تمسخر سے بھری ہنسی ابھری۔ مگر وہ پلٹی نہیں بلکہ ایک طویل سی سانس بھری، سر اثبات میں ہلایا۔

"ہاں، حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو۔" ایک پل کے توقف کے بعد وہ جیسے بے اختیاری کی لپیٹ میں آکر خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

"پیسہ انسان کو اچھا بنا دیتا ہے، اس کے سارے عیب چھپا دیتا ہے، اسے عزت دیتا ہے، رشتے ناتے سارے ہی تو دولت کی زنجیر سے جکڑے رہتے ہیں، ورنہ یہ اخلاص، مروت تو بڑی کمزور سی بوسیدہ سی رسیاں ہیں وہ کب رشتوں کو جوڑ سکتی ہیں۔

دین دنیا کے سب عقدے دولت سے حل ہو سکتے ہیں جس طرح زمین کے سب گڑھے پانی سے بھر جاتے ہیں۔ اسی طرح دولت سے بھی انسان کے سب عیب ڈھک جاتے ہیں۔ سب مقصد پورے ہو جاتے ہیں۔" پھر اس کی طرف رخ کر کے ذرا سا مسکرائی، عجیب خود آزاری سی مسکراہٹ تھی۔

"دنیا میں کسی خوبی کی بھی دولت سے زیادہ قدر نہیں ہوتی۔ اب یہی دیکھ لیں نا کہ آپ اور گل بھی نیم ہیں اور میں بھی۔ مگر جو اہمیت آپ کو اور گل کو

اس گھر میں خاندان میں حاصل رہی۔ وہ مجھے اور امی کو نہیں وجہ صرف پیسہ۔ آپ کی امی دولت مند گھرانے کی بہو تھیں۔ آپ کا باپ ایک اونچی پوسٹ پر تھا۔ میری ماں ایک مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی اور میرا باپ ایک تنخواہ دار ملازم۔ ایک طرح سے قلاش بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" اس نے بات کاٹ کر اسے خاصی ملامت آمیز نظروں سے دیکھا۔

"تم نے ہمیشہ منفی انداز میں سوچا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور رہی دولت مند ہونے کی بات تو کسی —— بزرگ نے کہا ہے کہ اگر قدرت کے نزدیک دولت قابل قدر چیز ہوتی تو یہ فرعون اور نمرود جیسے بدمعاشوں کو ہرگز نہ ملتی۔ دولت مند ہونا اتنا ہی باعث فخر اور باعث عزت ہوتا تو ہمارے نبی سب سے زیادہ دولت مند شخص ہوتے ان سے زیادہ امیر کبیر کوئی نہ ہوتا، وہ چاہتے تو پہاڑوں کو سونے کا بنا لیتے اپنے لیے، فرشتے ان کی جنبش لب کے منتظر ہی تو رہتے تھے۔" اس نے سر جھٹکا اور ایک گہری سانس بھر کر رسٹ واچ پر نظریں ڈالیں۔

"تمہیں پتا تو ہے —— آدھے گھنٹے کے اندر اندر اور تم دس منٹ مزید ضائع کر چکی ہو اب تمہارے پاس صرف بیس منٹ ہیں بیس منٹ صرف ہیں آپ۔"

وہ گل کہہ کر بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔ اسے سخت قسم کی جھنجلاہٹ سوار ہو گئی، وہ جانتی تھی وہ انتہائی ضدی تھا اور کچھ بعید نہ تھا اس سے کہ جو کہا ہے اس پر عمل کروا کے اور مانے، صرف اس کی منگنی سے یہ ہول اٹھنے لگے۔

"کس قدر کمینہ انسان ہے یہ۔ گل کا بھائی تو بالکل نہیں لگتا بلکہ گل اس بدتمیز کی بہن بالکل نہیں لگتی۔ کتنا تضاد ہے دونوں بہن بھائیوں میں شاید یہ اپنی ماں پر گیا ہے۔ خود سر ضدی بدتمیز اور رہاں اس کو۔ اب ویسے ہی نہیں رہا اگر ہوتا تو جانے کیا سمجھتا خود کو۔"

اس کے دماغ میں کھولن ہو رہی تھی دل چاہ رہا تھا ہر چیز تہس نہس کر دے —— وال کلاک پر نگاہ پڑی تو گھبراہٹ ہونے لگی۔ ناچار جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔

جس بے دلی سے تیار ہوئی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پیروں میں سینڈل پھنسائے کچن کی طرف بھاگے وہیں سے ڈم ڈم کی باڑھ پھلانگ گئی کہ سینڈل کا اسٹریپ کھلا ہونے کی وجہ سے پیر زور سے مڑا اور وہ اوندھے منہ دوسری طرف کی کیاری میں گری، درد کی شدید ٹیس اٹھی کہ وہیں بلبلا کر بیٹھی رہ گئی۔

"ہر گدھا دیوار پھاندنے سے پہلے خود کو ہرن ہی تصور کرتا ہے۔" قریب سے اس کی استہزائیہ ہنسی ابھری۔ اس کا درد گویا مزید بڑھ گیا۔ پہلے ہی وہ اس سے خار کھائے بیٹھی تھی اور اب اپنی سبکی کا تماشا اس کے سامنے ہی ہوا تھا۔

اس نے تاروں کا رول ایک طرف ڈال کر اس کی طرف قدرے جھک کر ہاتھ بڑھایا۔

"اتنی جلدی کس بات کی تھی۔ اطمینان سے گیٹ سے آتیں۔ ابھی تو مہمان بھی سب نہیں آئے، چلو اٹھو۔" احسان کرنے والے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا کہ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے نہایت ملائمت اور معصومیت سے اس کے تیوروں کو دیکھا، پھر سر ہلا کر جیسے اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

"چلو اچھا ہوا چوٹ زیادہ نہیں آئی، پچھلے سال دانش بھی ہماری طرف والی باڑھ پھلانگ کر اترا تھا کہ پیچھے میں ایسی چوٹ آئی کہ ابھی تک لنگڑاہٹ باقی ہے، منگنی بھی ٹوٹ گئی اس وجہ سے اس کی۔" ایک افسردہ سی سانس بھر کر پھر اس کے سراپے کو بغور دیکھا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہوں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔" وہ اس پر ایک خشمگیں نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ وہ اس سے الجھنا قطعی نہیں چاہ رہی تھی۔ اس لیے کہ اس وقت اس کا الجھنے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔

بڑے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی تو ایک شور

بپا نظر آیا۔ وہ گل کے کمرے میں ہی چلی آئی جہاں سکون اور ٹھہراؤ تھا۔

گل —— میرون کلر کے شلوار سوٹ میں تقریباً تیار بیٹھی تھی۔ بس دوپٹے اور بالوں میں موتیا کی کلیاں ابھی لگانی تھیں۔ اسے تائی ماں کی بڑی بیٹی طاہرہ آپی کی نند نے تیار کیا تھا۔ نفاست سے کیے گئے میک اپ نے گل کی خوبصورتی کو اور بھی اجاگر کر دیا تھا۔ تمام تر خوبصورتی کے باوجود وہ سخت متوحش اور مضطرب دکھائی دے رہی تھی، اس کی آنکھوں میں حزن ہلکورے لے رہا تھا۔ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ جیسے ہی نایاب اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر اس کا اضطراب بڑھ گیا، وہ جھٹکے سے بیڈ سے اتری۔

"اب آ رہی ہو۔ علی بھائی سے کہہ کہہ کر تھک گئی کہ تمہیں بلا لائیں، صبا سے کہا، صبح سے سب کے پیچھے پڑی ہوں مگر تمہارے نخرے ختم ہونے میں نہیں آ رہے۔" وہ اسے ڈپٹتے ڈپٹتے یکدم روہانسی ہو گئی۔

"مجھے پتا تھا صبا کا پیغام بھی مل گیا تھا۔" وہ اطمینان سے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگی۔

"کیا؟" "اس کے باوجود نہیں آئیں، جانتی بھی ہو کہ میں اف۔ تم کتنی ظالم ہو نایاب۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اس کے لہجے میں خفگی کے ساتھ ساتھ دل گرفتگی اتر آئی، پھر یکلخت آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکل کر اس کے مہندی سے سجے ہاتھ پر ٹپکے۔

"تم جانتی بھی ہو، میں کتنی پریشان اور اداس ہوں آج۔"

"جب قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر ہی لیا ہے تو پھر حوصلے سے سامنا بھی کرو۔ ویسے منگنی کوئی اتنا مضبوط اور پائیدار بندھن بھی نہیں ہے، ہو جانے دو بعد میں بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے جو تم چاہو۔"

"چھوڑو۔ اب کچھ ہوا نہیں بعد میں ہو سکتا ہے۔ بابا نکاح کے وقت تک تم مجھے اس طرح کی طفل تسلیاں دیتی رہنا اور رخصتی کے وقت بھی سر پر ہاتھ رکھ کر یہی کہنا بلکہ ولیمہ کے روز بھی تم میرے پاس آ کر یہی کہنا کہ ابھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔" گل کا لہجہ چٹختا ہوا تھا اور نگاہوں میں شکوہ ہی شکوہ۔

"ایک تم اور ایک علی بھائی ہی تو ہیں جنہیں میں نے امی بابا کے انتقال کے بعد خود سے قریب سمجھا۔ اپنا بے حد اپنا سمجھا۔ مگر تم میرے لیے کچھ نہ کر سکیں اور علی بھائی تو۔" اس نے کرب سے لب دانتوں میں دبا کر چھوڑا پھر ایک مضمحل سانس بھر کر بولی۔

"ان کے خیال میں تو جنید رضا میں سارے جہاں کی خوبیاں ہیں وہ تو ان کی نگاہوں میں جنت سے اترا کوئی حور ہے۔"

اس کے حور پر کہنے پر نایاب اپنی برجستہ مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔ مگر دوسرے پل اس کے چہرے پر پھیلی اداسی دیکھ کر اور محسوس کر کے اپنی بقیہ ہنسی لبوں میں سمیٹ لی۔

"وہ کہتے ہیں کہ تمہیں جس نے بھی جنید کے بارے میں ایسی غلط سلط باتیں بتائی ہیں۔ دراصل وہ تمہاری خوش نصیبی سے جیلس ہو رہا ہے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ تمہیں اتنا اچھا ساتھی ملے۔" گل اپنی سادگی میں کہے جا رہی تھی جبکہ نایاب کے دل میں کھٹ سے تیر پیوست ہو گیا۔ دل چاہا فوراً سے پیشتر باہر نکل کر اسے ڈھونڈ ڈھانڈ کر شوٹ کر دے۔

"میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ یہ باتیں مجھے نایاب سے پتا چلی ہیں۔ جنید کی کزن اس کے کالج میں پڑھتی ہے اور یہ کہ اس کزن نے جنید کے بارے میں اسے ساری باتیں بتائی ہیں۔ نایاب کچھ کرو علی بھائی کو تو اپنے اس دوست میں کوئی عیب نہیں دکھائی دیتا۔ وہ تو اس کے خلاف ایک لفظ سننے کے روادار نہیں ہیں۔ رات مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا اور تھپڑ بھی مارا۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"خبردار جو آنسو بہائے —— آنسو کمزور اور بزدل بہاتے ہیں۔" وہ ڈپٹ کر اسے چپ کرانے لگی کہ اچانک کھلے دروازے پر نظر پڑی۔ جانے وہ کب اندر آیا تھا، اس پر ایک نگاہ پھینک کر دیوار گیر الماری

کھول کر جانے کیا کھٹر پٹر کرنے لگا۔ ایک پل اسے بے طرح جھینپ کا احساس ہوا، گل نے بھی سٹپٹا کر نایاب کو دیکھا اور دوپٹہ اوڑھنے لگی۔

♥ ♡ ♡ ♥

منگنی کی رسم میں گل کا ننھیال بھی شریک تھا اور یوں شامل تقریب کہ گویا بس فارمیلٹی ہی پوری کر رہا ہو۔ گل کی کزنز اونچے گھرانے کی الٹرا، ماڈرن ہونے کا پورا پورا تاثر دے رہی تھیں۔ سب سے الگ تھلگ بس گل سے ہی رسمی بات چیت کر رہی تھیں۔ لڑکے البتہ خاصی ترنگ میں تھے اور لڑکیوں کو مسلسل اپنی نگاہوں کے گھیرے میں فوکس کیے ہوئے تھے۔ ان ہی میں گل کا ماموں زاد شہریار بھی تھا جس کی نظروں میں نایاب کا سراپا ایسا اترا کہ گویا اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

بلیک ٹراؤزر اور کریم کلر کی ٹی شرٹ میں ملبوس یہ بے باک اور خوش شکل لڑکا نایاب کے لیے اچھا خاصا دردِ سر ثابت ہوا۔ پورے ہی فنکشن میں۔ وہ جہاں جاتی اسے لگتا اس کی نگاہیں اس سے چپک کر رہ گئی ہیں۔ علی نے یہ بات شدت سے محسوس کی مگر چاہنے کے باوجود وہ شہریار کو ٹوک سکا نہ نایاب کو اس کی نظروں سے دور رکھ سکا۔ البتہ گل نے رات اس سے ذکر کیا تو وہ قطعی انجان بن گئی۔ جس پر گل نے اسے اچھا خاصا سنایا۔

"اتنی کم سن ہو نہ نادان۔ اچھا بھلا وہ تمہارے گرد چکر کاٹتا سب کو ہی دکھائی دیا اور تم انجان بن رہی ہو۔" دوسرے روز شام ڈھلے ہی ادھر کا رخ کرنے والا شہریار اپنی چمکتی اکورڈ میں علی سے ملنے کے بہانے چلا گیا۔

"اب تمہارا کیا خیال ہے۔" گل نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ تجاہل عارفانہ سے کندھے اچکا کر رہ گئی۔ تاہم دل کے اندر کہیں کوئی سرشاری کی لہر چھوٹی تھی، اس نے ٹیرس پر کھڑے ہو کر اس کی اس سیاہ موتی کی طرح چمکتی گاڑی کو واپس جاتے دیکھا، بہت عام سا شخص کتنا خاص ہو کر رہ گیا تھا۔

محض اس خوبی اور خاصیت کے باعث جو دولت انسان کو بخشتا ہے ہر شے کو نکھار دیتا ہے، یا پھر جو دیکھنے والی آنکھ کو ہر حسن دے کر خیرہ کرتا رہتا ہے اس نے شہریار احمد سے زیادہ اس کی چمکتی گاڑی کو دیکھا اور سوچا۔ پھر یکدم مسرور سی ہو کر ہنس پڑی۔

"تو یہ نخریلا امیر کبیر صرف میرے لیے آیا تھا۔" اس احساس نے اسے کتنی دیر سرشار رکھا اور یہ احساس بھی گل نے ہی دلایا تھا کہ "وہ آیا تمہارے لیے تھا اور جاتے جاتے مجھ سے تمہارا فون نمبر بھی لے گیا ہے۔ مجھے مجبوراً دینا پڑا تاکہ کوئی بدمزگی نہ ہو جائے۔ خاندان کا معاملہ تھا۔ ورنہ میرا تو بالکل انکار کر دینے کو دل چاہ رہا تھا۔" وہ بتاتے ہوئے ہی اتنی بدمزہ ہو رہی تھی کہ اس سے نایاب کو اندازہ تھا کہ اس کا نمبر دیتے ہوئے جانے کیا حالت ہوئی ہوگی۔ وہ عجیب سے احساس میں گرفتار تھی کہ وہ وارننگ دینے والے انداز میں بولی۔

"دیکھو نایاب! شہریار کو زیادہ لفٹ کرانے کی ضرورت نہیں ہے اور مروت بھی بالکل نہیں برتنی۔ میرا کزن ہے تو کیا ہوا، ہے تو انتہائی چھچھورا انسان، بلکہ ہمارا پورا ننھیال سوائے پیسہ رکھنے کے کوئی خاص خوبی نہیں رکھتا اور شہریار تو بالکل بھی نہیں۔" گل کے انداز میں اپنے ننھیال کے لیے کوئی اچھا تاثر نہیں تھا، اسے بہت زور کی ہنسی آگئی۔ بلکہ دل تو چاہا اس کی اس بے وقوفانہ مگر مخلصانہ ـــــ بات پر کھل کر قہقہہ لگائے۔ سوائے پیسے کے کوئی خوبی نہیں تھی اور کتنی نادان تھی یہ گل بھی۔

پیسہ ہونا تو بذاتِ خود ایک بڑی خوبی ہے اور کئی دوسری خوبیاں پیدا کر ڈالتی ہے، اس سے تو سارے عیب چھپ جاتے ہیں، زور سے طاقت اور طاقت سے زر حاصل ہوتا ہے۔

وہ یکدم ہی بہت مسرور رہنے لگی، شہریار کے لیے وہ اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے چلا آیا، اس سے چوری چھپے اس کا کانٹیکٹ نمبر حاصل کیا اور جب شہریار کا فون آیا تو اس کا دل خوشی

کے احساس سے دھڑکنے لگا، مگر جو اس جانے کیوں معطل سے ہونے لگے۔ ساری طراری غبارے سے نکلی گیس کی طرح فضا میں بکھر گئی۔

وہ جس لگاوٹ اور بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ نایاب کے ہاتھ پیر پھلانے کو کافی تھا۔

ایک پل وہ اسے چھچھورا ٹائپ کا ہی لگا، مگر دوسرے پل دل کی خوشگوار دھڑکن سے اٹھنے والے احساس نے اس خیال کی نفی کر دی۔

ریسیور رکھ کر وہ کتنی دیر قریبی صوفے پر بیٹھ کر اپنے دل کی دھڑکن اپنی سماعت میں دھڑکتا محسوس کرتی رہی۔

"سنو، شہریار بھائی کا فون آیا پھر۔" گل دوسرے دن ہی اس کی طرف دوڑی آئی، اس کی اس کھد بد پر اسے ہنسی آگئی۔

"ہاں۔"

"تم نے زیادہ لفٹ تو نہیں کرائی نا۔ دیکھو انہیں انگلی دو گی تو پہنچا پکڑ لیں گے۔"

"توبہ توبہ اپنے کزن کے لیے ایسے جذبات رکھتی ہو۔" وہ اسے چھیڑنے لگی۔ "ایسے ہی خیالات میں علی کے لیے رکھوں تو تمہیں غصہ آتا ہے۔"

"خبردار جو میرے بھائی سے اس شخص کا موازنہ کیا ان میں اور علی بھائی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" جواباً وہ استہزائیہ ہنسی پھر سر تائیدی انداز میں ہلا کر بولی۔

"ہاں اس میں اور علی میں زمین آسمان کا فرق ہے، علی زمین اور وہ آسمان۔ کہاں اس کا اور علی کا مقابلہ۔" اس کی اس بات پر گل خفا ہو کر چلی گئی، اس نے بھی منانے کی کوشش نہ کی۔

شہریار کا ہر دوسرے تیسرے دن فون آنے لگا۔ وہ اس سے شادی کا خواہش مند تھا۔ اس نے یہ بات گل کو بتائی تو وہ بالکل گم صم ہو گئی۔ کسی طرح کا رد عمل ظاہر نہ کیا یا پھر اس دھچکے نے اسے کسی بھی رد عمل سے باز رکھا۔

ادھر نایاب کے اندر نشہ سا اتر آیا تھا۔ ہزاروں تشنہ خواہشیں پل کی پل دل سے نکل کر آنکھوں میں خواب بن کر اتر آئیں۔

رو پہلے مہکتے، البیلے خواب، جن کی تعبیر رنگین تتلی کی مانند ہوتی ہے۔

مگر امی کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں۔ اس روز بڑے پورشن سے آئیں تو ان کا چہرہ کسی اندرونی خوشی سے چمک رہا تھا۔ تایا ابو اور تائی ماں نے نایاب اور علی کے رشتے کی بات کی تھی۔ تایا ابو کے خیال میں وہ علی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے اور یوں نایاب کا فرض بھی ادا ہو جائے گا۔ امی نے جب یہ بات اس سے کی تو اس کے اعصاب یکدم کشیدہ ہو گئے۔ اف کتنی خواہشات تھیں دل کے اندر، انہیں کیسے وہ دھواں بنا کر اڑا دیتی۔ خواب کوئی کھیل تو نہیں ہوتے خواہشات لباس تو نہیں کہ ایک اتار لیں دوسری پہن لیں۔ اس نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تو امی کو سخت ذہنی صدمہ پہنچا۔

پہلے ہی وہ ان دیکھے واہموں اور وسوسوں کی آہٹ دل پر محسوس کر رہی تھیں۔ اس کے جواب نے ان واہمات کو یقین میں بدل ڈالا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم بہت اونچے خواب دیکھنے لگی ہو بات سنو میری!" انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"شہریار اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور اگر بالفرض محال وہ چاہے گا بھی تو اس کی ماں ایسا نہیں چاہے گی۔"

وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر چہرہ جھکا گئی۔

"علی بتا رہا تھا کہ اس کی ماں نے گھر میں ایک ہنگامہ کھڑا کیا ہوا ہے، اس کا باپ بھی بیٹے کی اس خواہش سے خائف ہے اور تو اور بہنیں بھی خوب ناک بھوں چڑھا رہی ہیں، سوچو ذرا میں تمہیں اس گھر میں بھیج سکتی ہوں۔ جہاں تمہیں عزت اور توقیر نہ ملے جہاں ابھی سے سب تمہارے مخالف ہیں۔"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور امی کی طرف

دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تلخی چھلک آئی۔

"بکواس کر رہے ہیں وہ' جھوٹ بول رہے ہیں آپ کو ورغلا رہے ہیں اس کے خلاف۔ جیلس ہیں وہ اور گل دونوں مجھ سے' میرے مقدر سے' اسی لیے ایسی بے سروپا باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بے پناہ تلخ ہو گئی۔

امی نے غایت درجے حیرانی سے اسے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی اور وہاں سے چلی آئی۔ اسے علی کا کہا ہوا ایک ایک لفظ جھوٹ اور مکر لگ رہا تھا۔

"بھلا مجھ میں کیا کمی ہے کہ اس کی ماں ناپسند کرے گی۔ خوبصورتی' تعلیم' اچھا خاندان۔ اور رہی دولت کی بات تو بھلا اس کی ان لوگوں کو کیا کمی ہے۔ سراسر بکواس ہے یہ۔" اس کے انکار نے گل کو انتہائی ملول کیا تھا۔

"آئی کانٹ بلیو کہ دولت پیسہ تمہارے لیے اس قدر اہم اور اٹریکٹو چیز ہو گی' محبت' رشتے' ناتے' خلوص' وفا' کردار تمہاری نظر میں بے معنی شے ہیں' اٹس ویری اسٹرینج۔" گل کے لہجے میں تاسف حیرت' دکھ کیا کچھ نہیں تھا۔ ایک پل وہ بھی ندامت اور اضطراب کی لپیٹ میں آ گئی' کوئی لہر تھی جو اس کے اندر سے اٹھی' مگر پھر اندر ہی کہیں دم توڑ گئی۔ وہ بالوں کو لپیٹ کر ایک گہری سانس بھر کر ہلکے سے مسکرائی۔

"میں تمہاری طرح محض کردار' اخلاق' سیرت اور خاندانی شرافت نجابت پر۔۔۔ گزارا نہیں کر سکتی' ٹھیک ہے ایک حد تک یہ چیزیں ہونی چاہئیں' یہ معیار بھی برا نہیں ہے مگر جب ہمارے سامنے کے راستوں پر خوبصورتی' آسودگی' ہمارے خوابوں کی خوش نما تعبیر پھیلی ہوئی ہو تو ان کو آگے بڑھ کر نہ سمیٹنا اور منہ پھیر لینا' سراسر ناشکری اور حماقت ہو گی۔ کیوں ہے نا۔" اس نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانک کر جیسے اپنی بات میں وزن پیدا کرنا چاہا' جواباً "گل بڑے تحقیر آمیز انداز میں مسکرائی۔

مگر وہ اس کی مسکراہٹ قطعاً نظرانداز کر گئی اور اپنے ہی کسی خیال میں ڈوب کر عجیب یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔

"اسی بڑے۔۔۔ گھر میں میری ماں کو محض چھوٹے طبقے کی لڑکی ہونے کی وجہ سے وہ عزت اور توقیر نہیں ملی' جو تمہاری ماں کو اس کی مضبوط بیک گراؤنڈ کے باعث ملی۔ میرے ابو ایک معمولی آفیسر تھے کم تنخواہ تھی ان کی' سو ان کی بھی اس گھر میں وہ عزت نہیں تھی جو تایا ابو کی تھی' تمہارے پاپا کی تھی۔ چونکہ وہ بڑے آفیسر تھے۔ مگر ہم دونوں طرف سے کمزور ثابت ہوئے اور یوں میں ایک احساس کمتری کے حصار میں آ گئی' خود کو ہمیشہ ایک غریب ماں باپ کی بیٹی سمجھا اور ان سب محرومیوں نے شاید میرے سوچنے کا طریقہ بدل ڈالا ہے۔"

اس کی آواز دھیمی ہوتے ہوتے بند ہو گئی' اس کی خوش نما آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔ جن میں ان گنت سلگتی خواہشوں کا دھواں بھرا ہوا دکھائی دینے لگا۔

گل نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ یکدم افسردگی کے اس عکس سے نکل کر ہلکے سے ہنسی۔

"میں۔۔۔ میں چمکتی گاڑی میں گھومنا چاہتی ہوں۔ بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز میں جا کر دل کھول کر خرچ کرنا چاہتی ہوں۔ مہنگے بوتیکس کے کپڑے اور امپورٹڈ پرفیوم سے خود کو بسانا چاہتی ہوں۔ کیا۔ کیا یہ سب علی مجھے دے سکیں گے۔" اس نے یہ کہہ کر استہزائیہ سانس بھری اور خود ہی سر نفی میں ہلانے لگی۔

"ہرگز نہیں۔ نو۔ نیور' ممکن ہی نہیں۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے' علی بھائی کے پاس اپنی بائیک ہے۔ بہت جلد کمپنی سے انہیں گاڑی بھی مل جائے گی اور جاب میں ترقی بھی۔" گل کا یہ تحقیر آمیز انداز سخت گراں گزرا۔

"ہاں اس کے پاس گاڑی بھی آ جائے گی مگر۔۔۔ سب نہیں آئے گا جو میری چاہ ہے' خواہشات ہیں۔"

"خواہشات تو پہاڑوں کے اردگرد سے پھوٹنے والے چشموں کی مانند ہوتی ہیں' پھوٹتی رہتی ہیں بہتی رہتی ہیں' کب تک ان کے پیچھے بھاگو گی' یہ تو پھوٹتی ہی رہیں گی تاعمر تمہارے اندر سے۔" گل آزردگی

لپٹ میں آ گئی۔

"گل ڈیئر! تمہاری اور میری سوچ میں بہت فرق ہے۔ یا شاید میں بھی تمہاری طرح ہی سوچتی اگر میرے سامنے میرے خواب کی تعبیر نہ آجاتی۔ تب میں بھی تھوڑے پر قناعت کر لیتی، جس طرح تم نے جنید رضا خان کو اس کی صرف شرافت، خاندانی نجابت اور کردار کی وجہ سے قبول کر لیا ہے، ورنہ وہ کیا ہے، معمولی تنخواہ دار ملازم جس کی ترقی کے چانسز تو ہیں مگر بہت دیر کے بعد۔" وہ بے دھیانی میں بول رہی تھی مگر جوں ہی گل کے چہرے پر نظر پڑی کھسیا کر نظریں چرا لیں۔

"سوری گل! میں نے جھوٹ بولا تھا تم سے جنید کے بارے میں۔ ان فیکٹ میں نہیں چاہتی تھی۔"

"مگر میں ایک عام سے متوسط شخص سے شادی کروں۔ مجھے بھی تمہاری طرح محلوں کے خواب دیکھنے چاہیے تھے۔" اس نے بڑی تندی سے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ ہنس پڑی اور اپنی ندامت خجالت کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی۔

"یہ میری محبت کا تقاضا سمجھ لو۔ میں جانتی ہوں کہ تم بھی کرتی۔"

"شٹ اپ۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی۔ "یہ محبت نہیں ہے، یہ تمہاری اندھی سوچ اور نفس کی پیروی ہے۔ لیڈ تھنک، تمہارے نفس کا سرکش گھوڑا تمہیں خواہشات کی کھردری پہاڑیوں پر بھگائے جا رہا ہے، یاد رکھنا یہاں کرنے والے بہت گہری چوٹ کھاتے ہیں۔"

"گل!" اس نے اس کا ہاتھ پکڑا مگر وہ جھٹک کر کھڑی ہوئی اور روتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔ وہ کچھ دیر یونہی گم سم سی بیٹھی رہی۔ پھر بادام کے درخت سے ٹیک لگا لی۔ یکدم اپنی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ پھر ان میں پانی اتر آیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

شہریار نے جانے کس طرح دباؤ ڈالا تھا کہ اس کی ماں اور بہنیں اس کا پرپوزل لے چلی آئیں۔ مگر ان کے انداز اور تیور سے یہ بات ثابت تھی کہ وہ کس طرح نایاب کو بہو بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے بار بار ان کے اور اپنے اسٹیٹس کے تفاوت کو بھی جتایا۔

ان کے تحقیر آمیز انداز رویوں نے امی کو بھی دکھی کیا تھا۔ تائی اماں بھی خاصی مشتعل ہوئیں مگر نایاب کو کون سمجھاتا۔ ادھر گل نے تو اس روز کے بعد سے اس سے بات چیت بند کر رکھی تھی۔ مائرہ اور صبا کا بھی اسے سمجھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تائی اماں نے البتہ تھوڑی کوشش کی مگر نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔

ادھر علی گل پر الگ برہم ہوا تھا کہ اس نے اس سے پوچھے بنا کیوں تایا ابو اور تائی اماں سے کہہ کر نایاب کے رشتے کی بات کی تھی۔ گل نادم ہو کر گڑگڑا کر خوب روئی۔ اسے گویا رونے کا بہانہ مل گیا۔ پہلے ہی وہ نایاب کے فیصلے پر آزردہ تھی، دوسرا اس کی غلط بیانی پر جس کے باعث وہ جنید سے منگنی کے باوجود نفرت کرتی آئی تھی۔

جس روز نایاب کی بات پکی ہو رہی تھی، اس روز گل پر شدید اداسی کا دورہ پڑا تھا۔ اس نے علی کو رات بھر جاگتے اور سگریٹوں کے مرغولوں میں گم ہوتے دیکھا تھا۔ ایک بار تو وہ دودھ دینے کے بہانے آئی اور اس سے الجھ پڑی۔

"آپ بزدل ہیں، کم ہمت ہیں، جو اپنے سامنے اپنے خوابوں کو ٹوٹتے بکھرتے دیکھ رہے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

"میں نے کوئی اس کے خواب نہیں دیکھے، بکواس نہ کرو۔" وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بری طرح برہم ہوا۔

"دیکھتے رہے ہیں آپ اسی کے خواب۔ ہمیشہ اسی کے خواب دیکھے ہیں آپ نے، محبت کرتے ہیں اس سے، جھوٹ مت بولیں مجھ سے، میں اچھی طرح..."

"گل! آئی سیڈ شٹ اپ۔" اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا مگر کچھ سوچ کر واپس پہلو میں گر گیا۔ تاہم اس نے سخت نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ یونہی بنی کھڑی رہی، پھر روتے ہوئے بولی۔

"ایک بار تو آپ اس سے کہہ کر دیکھیے، اس پر اپنے جذبے آشکار کر کے، ہو سکتا ہے وہ آپ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کر لے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ ہی بدل لے۔" اس کی اس معصومانہ بات پر ایک مجروح مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ پھر ایک عجیب زخم خوردہ نظر اس پر ڈال کر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک گہری سانس بھری۔

"اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا ہوتی، فیصلہ بدلنا ہی ہوتا تو وہ یہ فیصلہ کرتی ہی کیوں۔ یوں بھی دیکھا جائے تو وہ ایک جذباتی نہیں حقیقت پسند لڑکی ہے، اس نے حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا ہے کہ محبت واقعی صرف روح کی آسودگی کا نام رہ گیا ہے جبکہ فی زمانہ تن کی آسودگی اور آسائش زیادہ اہم ہیں۔"

"تو آپ کون سا اسے بھوکا ماریں گے۔ کیا نہیں آپ کے پاس۔" "وہی جو اسے چاہیے، بہت کچھ بلکہ سب کچھ، جو میرے پاس نہیں ہے۔" اس نے الماری سے سوٹ نکال کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔ پھر اس کی طرف مڑا جو یاسیت کا شکار ہو رہی تھی۔ ساری آس ساری امید جیسے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔

"تم چاہتی ہو کہ میں گدائے عشق کا کاسہ لے کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاؤں کہ وہ اپنی نظر عنایت کے چند سکے ڈال دے۔ یا اس کے پیروں سے لپٹ کر محبت کی بھیک مانگوں، یا اپنی محبت کا اظہار کر کے جواباً محبت طلب کروں۔ یہ محبت اگر طلب سے ہی ملتی تو شاید بے حد حقیر، بے معنی اور بے وقعت شے ہوتی۔ نہیں گل! اتنے ارزاں، اتنے بے وقعت جذبے نہیں ہیں میرے۔ محبت بھی قیمتی متاع ہوتی ہے، اسے سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی عزت اور توقیر کے کانچ کو [illegible] دھندلا اور گدلا کر ڈالتے ہیں، جو مجھے گوارا نہیں ہے۔" اس کا لہجہ ٹھنڈا اور پرسکون تھا مگر

تھی۔ جس سے وہ گزر رہا تھا۔ وہ آنسو ضبط کرتی وہاں سے چلی گئی۔ پھر اس نے نایاب کی بات طے ہونے سے منگنی تک ایک اچھی پُرخلوص سہیلی کا رول ادا کیا۔ نایاب کا خیال تھا وہ اس سے لڑے جھگڑے گی۔ مگر اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے کئی بار پوچھا بھی کہ گل تم خفا تو نہیں ہو، وہ ہنس کر ٹال جاتی "میں خفا کیوں ہونے لگی۔" اور وہ کیوں پر چپ ہو کر رہ جاتی۔ اس کی منگنی کے روز ہی اس کی ساس نے شادی کی بات بھی کرنی چاہی، جس پر تائی اماں اور امی دونوں کو اعتراض ہوا۔

اتنی جلدی تو وہ شادی کے حق میں نہیں تھے۔ مگر ان کے اعتراض کو نند صاحبہ نے چٹکی میں اڑا دیا۔

"اب آپ کو کون سا دوبئی امریکہ سے شاپنگ کرانی ہے بیٹی کو کہ اتنا ٹائم مانگ رہی ہیں۔ میرا تو خیال ہے یہ بھی بہت ہی ہو گا۔ ہاں اگر آپ فنانشل طور پر پریشان ہیں تو الگ بات ہے۔"

"سو بکھیڑے ہوتے ہیں بیٹی کی شادی کے اور پھر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ گل کی شادی کی تاریخ بھی اس کی ساس مانگ رہی ہیں اسی مہینے میں جو آپ بتا رہی ہیں اور ادھر مائرہ کی ساس کا بھی تقاضا بڑھتا جا رہا ہے۔ چلو مائرہ کی تو ٹھہر کر کر دیں گے مگر پہلے گل کی ہو جائے پھر نایاب کی تو زیادہ بہتر رہتا۔" تائی اماں نے سہولت سے بات سنبھالی مگر دونوں ماں بیٹی کو پھر بھی اعتراض تھا۔

"شہریار کینیڈا جا رہا ہے چھ ماہ کے لیے، ہم چاہتے ہیں کہ شادی کر کے کینیڈا جائے تو اس طرح ہنی مون کا ٹرپ بھی ہو جائے گا۔" اس کی نند نے نیا نکتہ نکالا۔

"وہ چلیں، آپ کے پاس کون سا دولت کی کمی ہے، دوبارہ چلے جائیں گے۔" تائی اماں طنز سے مسکرا دیں۔ امی تو بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھیں۔ ایک تو پہلے ہی وہ مرعوب سی تھیں اوپر سے ان کے تیور نے سہما دیا تھا اور ادھر تائی اماں بھی کتنا الجھتیں، آخر انہوں نے رشتہ ختم کر دینے کی دھمکی دی تو وہ چپ سی ہو گئیں اور آخر امی کو اقرار کرنا ہی پڑا۔

کہاں تو میں ابھی گل کی جدائی کا سوچ کر آٹھ آٹھ آنسو بہانے کا سوچ رہی تھی کہ تمہاری جدائی کا پروانہ آگیا۔" صبا اس کے پاس آ کے بیٹھی تھی۔ اس کے لہجے میں بڑی اداسی تھی جیسے وہ کل ہی یہاں سے رخصت ہو رہی ہو۔

وہ اپنے کسی خیال سے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی جس کی توجہ اب اس کی انگلی میں چمکتی رنگ پر تھی۔

"بہت زبردست رنگ دی ہے، خاصے مالدار ہیں تمہارے سسرال والے۔"

"تو امی نے اپنی طرف سے کون سی کسر چھوڑی ہے۔"

"چچی کو تو ظاہر ہے دینا ہی پڑے گا اور پھر تمہاری ساس ہیں نا انہوں نے منگنی سے ایک روز پہلے امی کو فون پر کہا تھا کہ وہ اتنے لوگوں کو ساتھ لا رہے ہیں تو آپ لوگوں کو اچھا تاثر دینا ہوگا۔ تاکہ ہمارے رشتے دار ہم پر انگلی نہ اٹھائیں کہ ہم نے فقیروں میں رشتہ کر دیا۔ ہم پہلے نہ سہی مگر اب اتنے گئے گزرے بھی نظر نہ آئیں۔"

اس نے عجیب سی نظروں سے صبا کو دیکھا اس کے تیوروں میں ناگواری سمٹ آئی۔

"بھئی یہ میرے نہیں تمہاری ساس کے الفاظ ہیں۔ امی کو تو بڑا غصہ آیا۔ مگر صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئیں ویسے ہیں بہت تیز تمہاری ساس۔" وہ بیٹھے اتر گئی۔ صبا کے الفاظ اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگے تھے اسے اپنا سر چکراتا محسوس ہونے لگا۔ غصے کی لہر اندر سے اٹھ کر اندر ہی دم توڑ رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ابھی کیا کہیں! ابھی کیا نہیں
یونہی خواہشوں کے قطار میں
بھی ہے سب بھی ہے غلط
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا
کے کس نے کیسے گنوا دیا

کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا

عجیب بے زاری اور بددلی کا عالم تھا۔ جس پر نایاب کو اپنی زندگی تیرتی سرکتی محسوس ہو رہی تھی وہ حیران تھی کہاں گیا وہ سارا جوش، ساری خوشی کہ پھیکا پن سمٹ آیا ہے اس کے اندر۔

ساری خواہشات، خواب کہاں رہ گئے تھے؟ اس کیفیت پر وہ حیران بھی تھی اور مضطرب بھی۔ الگ جھنجلائی ہوئی تھیں اور ان کا غصہ جھنجلاہٹ بھی بجا، اس کی شادی میں تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا اور ڈھیروں کام پڑے تھے۔

آج گل اور مائرہ کے ساتھ اس نے شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا، مگر تایا ابو نے ڈرائیور کے ساتھ گاڑی بھجوائی تھی، جبکہ ہمیشہ علی ان سب کو شاپنگ پر لے جاتا رہا تھا، مائرہ کی منگنی کی شاپنگ اور گل کی منگنی کی شاپنگ ان سب نے علی کے ساتھ ہی کی تھی مگر اب علی کا یہ گریز۔ اس کی روح تک میں نشتر کی طرح اتر گیا تھا۔

"دیکھو۔ ڈھیر سارے کام پڑے ہیں تم سے نہیں ہوتا تو ایک کام بھی تو مائرہ اور گل کو سونپ دو تم الٹا گھنٹوں لیے پڑی رہو۔" امی رسی سے کپڑے اتارتے ہوئے اسے سخت نظروں سے گھور رہی تھیں، جو صحن کی گرل کے پھول میں منہ دیئے باہر جانے کا تلاش کر رہی تھی۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں نایاب۔"

"اچھا نا۔ سن لیا ہے۔" جواباً وہ ان سے بھی زیادہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں بولی اور موڑھا کھینچ کر دیوار سے لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کی اس حرکت پر امی اس پر ایک غصے بھری نگاہ ڈال کر کپڑے اٹھائے اندر چلی گئیں ان کے خیال میں اب وہ مزید ایک گھنٹہ یہاں سے نہیں اٹھنے کی اور ایسا ہی کچھ تھا۔ وہ دیوار سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے ایک بار پھر اپنے ارد گرد سے کٹ گئی۔ کاش ایسا ہو کہ میں گدائے عشق کا کاسہ لے کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاؤں کہ وہ اپنی نظر عنایت کے چند سکے اس میں ڈال دے یا اپنی محبت کا انکسار کر کے

جواباً "محبت طلب کروں؟" بنتا ہے اگر محبت طلب سے حقیر بے معنی سی شے ہوتی۔"

نہیں تو شاید بے حد نہیں گل! اتنے ارزاں اتنے بے وقعت جذبے نہیں ہیں میرے، محبت بھی قیمتی ہوتی ہے اسے سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی عزت اور توقیر کے کانچ کو بیقدر شناس دھندلا اور گدلا کر ڈالتے ہیں جو مجھے منظور نہیں ہے۔" اس کے دل کے آس پاس وہی توازنا حصار کھینچنے لگی۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ پلکوں پر اٹکے ہوئے آنسوؤں کے قطرے ٹپ ٹپ کر کے اس کی گود میں رکھے ہاتھ پر گرے۔

وہ عجیب سے احساسات کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی پھر بے دردی سے پونچھ کر ہلکے سے ہنس دی۔ مگر اسے اپنی ہنسی بے حد پھیکی پھیکی کھوکھلی سی لگی جیسے اس کے سارے ساز ٹوٹ گئے ہوں جیسے کوئی دیا جلنے اور روشن ہونے کی خواہش میں سر راہ پھڑپھڑا رہا ہو۔

زرینہ نے آ کر اسے شہریار کے فون کی اطلاع دی تو وہ اس کیفیت سے نکل کر وہاں سے اٹھی۔ دوسری طرف وہ تھا ——— چہکتا ہوا اس کی خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد اس کے سر پر گویا بم بلاسٹ کر دیا۔

"نایاب ڈیر! تم ریڈی رہنا، آج ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں اسی بہانے تمہارے رخ روشن کا دیدار بھی ہو جائے گا اور جناب پر ساتھ بھی ہو جائے گا، او کے میں ایک آدھ گھنٹے میں آ کر تمہیں پک کر لیتا ہوں۔"

"مگر شہریار! دراصل۔ میرا مطلب ہے یہ کچھ معیوب کی بات نہیں ہوگی اس طرح ہمارا اکیلے شاپنگ پر جانا۔" وہ فون رکھنے لگا تو وہ جلدی سے بولی۔

"واٹ۔" وہ زور سے چلایا پھر ایک دم ہنس پڑا۔ "ہم اکیلے نہیں جائیں گے تو کیا پورا لشکر ساتھ لے کر جائیں گے، کم آن نایاب! ایسی دقیانوسی باتیں مت کرو ہم دونوں کوئی غیر تو نہیں ہیں ایک دوسرے کے۔ ہمارے درمیان خوبصورت رشتہ ہے اور نہ بھی ہو تو آج کے زمانے میں یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔"

"مگر تایا ابو اس بات کو پسند نہیں کریں گے یہ ہمارے یہاں کی روایت نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"اُف!" وہ شاید بری طرح جھنجلایا تھا، پھر تنگ کر بولا۔ "یہ خاندان کے بوڑھے بابا بہت تنگ کرتے ہیں، اینی وے یہ تمہارا ہیڈک ہے کہ تم اپنے دقیانوسی خاندان والوں کو کس طرح بہلاؤ پھسلاؤ میں آدھے گھنٹے میں آ رہا ہوں تمہیں لینے۔" اس نے فون رکھ دیا۔ وہ ریسیور تھامے کتنی دیر اس نئی افتاد پر سراسیمہ سی کھڑی رہی۔

"جائے یا نہ جائے اور جائے تو کس طرح جائے اور نہیں جائے گی تو وہ یقیناً خفا ہو جائے گا۔" ممکنات اس کی خفگی کی بھی نہیں تھی شاید۔ اس رشتے کے احساس کی تھی جواب دونوں کے مابین تھا۔ وہ اس میں بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ وہ گل کی طرف آ گئی گل بھی اس نئی افتاد پر پریشان تو ہوئی۔ تاہم اس کی پریشان صورت پر اسے رحم آگیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

"تائی جان اور چچی جان کو میں سمجھا لوں گی، تم چلی جانا، آخر منگیتر ہی تو ہے، اس کے ساتھ جانا اتنی معیوب بات بھی نہیں ہے۔" اس نے چونک کر گل کو دیکھا، پھر یکدم نظریں چرا کر لب کاٹنے لگی۔ اسے یقین تھا گل تائی اماں کو بھی سمجھا لے گی اور اس کی امی کو بھی۔ مگر اس کے باوجود وہ خود کو اندر سے عجیب مجرم اور چور سی محسوس کرنے لگی۔ شہریار اسے لینے آیا تب بھی وہ بری طرح نادم تھی گھر سے نکلتے ہوئے اسے اپنا ایک ایک قدم من من بھر کا لگ رہا تھا اور اس پر مستزاد لان کے راستے میں علی سے سامنا ہو گیا اس نے باہر گاڑی میں بیٹھے شہریار کو دیکھ لیا تھا۔ بلکہ اس سے سلام دعا بھی ہو چکی تھی۔ اس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"میں نے تو گل کو بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ نہیں آئی۔ آپ ہی ساتھ آ جاتے تو اچھا ہوتا۔"

"کیوں شہیار بے چارے کے جذبوں پر اوس ڈالنا چاہ رہی ہو۔ اچھا ہوا گل نے منع کر دیا۔" وہ ہلکے سے ہنسا پتا نہیں وہ طنز کر رہا تھا یا واقعی شہیار کا اتنا خیال تھا وہ نظریں چرا گئی۔

سبز کاٹن کے سوٹ میں وہ نکھری نکھری مگر قدرے جھینپی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جیسے کوئی مجرم جرم کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا ہو۔

"اب جاؤ کھڑی کیوں ہو" وہ مسلسل ہارن بجا رہا ہے۔" اس نے اس کی توجہ مسلسل بجتے ہارن کی طرف دلائی تو اس نے پلکیں اٹھا کر بس ایک پل اس کی طرف دیکھا۔ پھر پلٹ کر باہر نکل گئی۔

شہیار کے ہمراہ راستے بھر اس پر عجیب سی وحشت سوار رہی' واپسی کوئی دو گھنٹے بعد ہوئی تو سامان سے لدی پھندی لائی میں ہی ساری چیزیں ڈال کر صوفے پر گر گئی۔

"تھک گئی ہو۔" امی نے فریج کی صفائی کرتے کرتے اسے دیکھا پھر ایک نظر سامان پر ڈالی۔

"ہاں بہت زیادہ۔" ایک ہلکی سی سانس اس کے سینے کی تہہ سے گویا نکلی تھی پھر جھک کر سینڈل سے پیر آزاد کرنے لگی۔

"چلو بھئی تمہاری تو شادی سے پہلے ہی خواہش پوری ہو گئی۔ بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز میں شاپنگ کرنے اور مہنگے بوتیکس کے کپڑے خریدنے کی۔" گل رات آئی تھی اور ساری چیزوں کو پورے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی اس کے لہجے میں ستائش تھی۔

وہ بالوں میں برش پھیرتی ہوئی دھیمے سے مسکرا دی۔

سچ کہہ رہی تھی گل کہ یہ اس کی آرزو تھی' خواہش تھی جس کا برملا اظہار بھی وہ اس کے سامنے کر چکی تھی مگر کتنی عجیب سی بات ہے کہ انسان سب سے خوش نما قیمتی چیز کے لیے دیوانہ وار بھاگتا ہے۔ مگر جب وہ چیز اس کی دسترس میں آجاتی ہے تو۔ اس کی دیوانگی اس کا جوش جانے کن گزرے زمانوں کی بات ہو کر رہ جاتی ہے' وہ ان اشیاء کو یوں دیکھتا ہے جیسے کبھی اس کی خواہش تمنا رہی نہ تھی' محض ہاتھ آجانے والی عام سی شے لگنے لگتی ہے۔

جیسے سنہری تتلی فضا میں پر پھیلا کر اڑتے ہوئے معصوم بچے کو اپنا دیوانہ بنا ڈالتی ہے۔ مگر جب اس کے ہاتھ آجائے تو بے رنگ' بے رنگی اور بے حس ہو جاتی ہے — پل بھر کے بعد اس کے دل سے اتر جاتی ہے۔

اسے لگ رہا تھا' اسی کے ہاتھ میں بھی خواہش کی مردہ' بے حس' ساکت' بغیر پروں والی تتلی آن ٹھہری ہو۔

فون کی گھنٹی نے اس کے خیالات کے تسلسل کو توڑا تھا۔ فون اس کی ساس کا تھا گل نے سلام دعا کرنے کے بعد ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا اور خود اس کی بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے سوچنے لگی۔

"کتنی سطحی سی خواہشات ہیں نایاب عمر تمہاری۔ بھلا ان کی قیمت ہی کیا' پہن کر پھٹ جانے والے کپڑے' گھس کر ختم ہو جانے والی جوتیاں' بے رنگ ہو جانے والی امیٹیشن جیولری' کتنا خسارے کا سودا کیا ہے' تم نے ان چیزوں کے عوض۔ کردار کی روشنی' شرافت نجابت اور محبت' ہیچ نظر آتی ہے تمہیں۔ جو روح کو زندہ رکھتی ہے حیات بخشتی ہے' تم حقیقت پسند نہیں بڑی دنیا دار نکلیں۔ چلو خدا تمہیں خوش رکھے جہاں بھی رکھے۔" وہ ساری چیزیں قرینے سے سمیٹ کر الماری کی طرف بڑھی کہ نایاب کو یکدم فون پر غصے سے بھڑکتے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"سوری آنٹی! میں نے یہ چیزیں پہلی بار نہیں دیکھیں نہ میری کمزوری ہیں یہ بے معنی اور لغو چیزیں۔ یہ آپ ہی کو مبارک ہوں میں نے تو شہیار کو منع بھی کیا تھا۔ مگر وہ مانے ہی نہیں' آپ شوق سے آ کر لے جائیں بھلے سے بری میں بھی نہ رکھیں۔"

"ارے شہیار کی تو عقل پر آج کل پٹی بندھی ہوئی ہے' اس معصوم بچے کو کیا خبر۔" دوسری طرف سے نخوت سے فرمایا گیا۔

"تو اتار دیجئے یہ پٹی' مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"ارے لو۔ تمہیں یہ تپ کس بات پر چڑھ رہی ہے۔ میں کون سا یہ سارا سامان اپنے لیے منگوا رہی ہوں' تم سے۔ بری میں ہی رکھنی ہیں' ساری چیزیں تمہیں ہی ملیں گی مگر تھوڑا صبر کرنا پڑے گا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم نے کبھی شاپنگ نہیں کی' مگر ایسی شاندار شاپنگ تو بہرحال نہیں کی ہوگی۔"

"ایسی شاندار شاپنگ کا ارمان تھا بھی نہیں۔" وہ بادو ضبط کے چیخ پڑی۔ "میں کہہ تو رہی ہوں آپ بھلے سے بری میں بھی نہ رکھیں۔"

"ارے نہیں نہیں' بری تو ہماری عزت اور ناک کا مسئلہ ہے بہو جیسی بھی ہو' جس خاندان کی بھی ہو' ہمیں تو اپنی حیثیت' اپنا خاندانی وقار۔ ملحوظ خاطر رکھنا ہی ہے نا۔"

"عزت کا تعلق صرف روپے پیسے سے نہیں ہوتا' ہم بھی کوئی گرے پڑے خاندان کے نہیں ہیں۔"

"نایاب' کیا کر رہی ہو۔" گل نے گھبرا کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لینا چاہا مگر اس نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"ہاں تو میں کون سا تمہیں کچھ کہہ رہی ہوں عزت اور خاندانی ہونا اپنی جگہ۔ غریب مڈل کلاس ہونا اپنی جگہ۔"

"بہرحال۔ یہ ساری چیزیں آپ ہی کو مبارک' میرے پاس جہیز میں لانے کو اس سے بھی اچھی اور عمدہ چیزیں ہیں۔" جواباً "ساس صاحبہ ہلکے سے ہنسیں۔

"ہاں تو جہیز تو تم لوگوں کو ہماری حیثیت کے مطابق ہی دینا ہو گا۔ آخر شہیار کی بھی عزت ہے اسے اپنی سوسائٹی میں سر اٹھا کر چلنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو عشق کا بھوت اترے تو اسے اپنے فیصلے پر پشیمانی ہو۔"

اور اس کا خون کھول اٹھا' اتنی ذلت کا تو اس کے ذہن تصور بھی نہیں تھا۔ اسے اپنی پیشانی یوں دہکتی محسوس ہونے لگی جیسے کسی نے جلتے شعلوں سے داغ دیا ہو۔ اس نے پوری طاقت سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"یہ کس لہجے میں تم اپنی ساس سے بات کر رہی تھیں۔" امی جو دروازے میں آ کھڑی تھیں' اس کے فون رکھتے ہی پریشان سی اس کی طرف بڑھیں۔

"جس لہجے میں وہ بات کر رہی تھیں' اس سے تو بہرحال بہتر ہی انداز تھا میرا۔" اس نے دانت پیسے پھر گل کے ہاتھ میں پکڑے شاپرز کو دیکھ کر بولی۔

"یہ تم لے جاؤ اپنے ساتھ اور شہیار کی بہن آئے تو اسے دے دینا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی امی اور گل حیران پریشان سی دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ پھر امی کے لبوں سے بے ساختہ ایک سانس نکل گئی۔

"اسے سمجھاؤ گل! کیا ہو گیا ہے اسے یکایک۔ کہاں تو شہیار سے شادی کرنے کے لیے اس نے میری ایک نہ سنی' اور اب اسے کیا ہو گیا ہے کہ اتنی بے زاری دکھا رہی ہے' اس طرح تو بہت مشکل ہو جائے گی۔"

گل نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے شاپرز کو دیکھ کر ایک مجروح سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ شاید اسے اب احساس ہو رہا ہے کہ عزت نفس بہرحال خواہشات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ وہ اور ہی ہوتی ہیں جو ان چیزوں کے عوض ہر رویہ سہہ جاتی ہیں' آخر خاندانی با وقار اور باعزت خون ہے' جوش تو مارے گا۔

♥ ♡ ♡ ♥
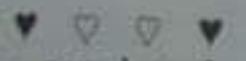
دوسرے روز شہیار کا فون آیا تو وہ ضبط نہ کر سکی اور اس کی امی کے رویے کے بارے میں بتا دیا۔ جسے سن کر اس نے کسی طرح کی حیرت کا اظہار نہ کیا الٹا وہ ہنسنے لگا۔

"کم آن نایاب۔ انہوں نے کچھ غلط تو نہیں کہا نا' بری میں رکھ لیں گی تو کیا ہو جائے گا' آخر کل ہیں تو یہ سب تمہاری ہی ملکیت نا۔"

"میرا مطلب چیزوں سے نہیں ان کے بی ہیور سے ہے۔"

"اوہو بھئی، تم اب اتنی معمولی معمولی باتوں پر مائنڈ مت کیا کرو۔"

"یہ معمولی بات نہیں ہے شہریار صاحب، میری بے عزتی کی گئی ہے۔"

"میرے خیال میں تو یہ معمولی بات ہی ہے، تم خوامخواہ میں ایشو بنا رہی ہو۔ اب بڑے بوڑھے لوگ اسی انداز میں بولتے ہیں اور امی کی عادت شروع ہی سے ایسی ہی ہے۔ تم مائنڈ مت کیا کرو۔ بلکہ میرا مفید مشورہ تو یہی ہے کہ ابھی سے ان کے مزاج کو سمجھ کر سہنے کی پریکٹس شروع کر دو، اسی میں تمہارا بھلا ہے اور تمہیں تو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے آخر کار تمہیں اپنی بہو بنانے پر رضامندی دے دی۔ ورنہ اپنی بھتیجی کو بہو بنا کر دم لیتیں، تمہیں تو پتا ہے کتنی لڑکیاں میری آرزو مند تھیں، مگر جناب ہم تو ایسے آپ کے اسیر ہوئے کہ کہیں کے نہ رہے، چلو غصہ تھوک دو، تمہارے پاس تو اب فخر کرنے کو بہت کچھ ہو گا۔"

"اب۔۔۔" اس کے دل پر برچھیاں چل رہی تھیں اور وہ اس سے بے خبر اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔

"ہاں بھئی مجھ جیسا دولت مند، ویل ایجوکیٹڈ، اونچے گھرانے کا چشم و چراغ تمہارا شوہر ہو گا، اور تم ایک بڑے گھر کی بہو کہلاؤ گی۔"

وہ اپنے تئیں اسے بہلا رہا تھا۔ مگر در حقیقت اس کی ذات کی نفی کر رہا تھا۔

اس کی عزت نفس پر کچوکے لگا رہا تھا، اس کا ایک ایک لفظ اس کے اعصاب پر کوڑے کی مانند لگ رہا تھا۔ ریسیور رکھنے کے بعد بھی کتنی دیر تک وہ اعصاب شکن احساس کے ساتھ قالین پر ساکت و سامت بیٹھی رہی، اسے لگا بہت بڑا پتھر تھا جو اس کے اعصاب پر لگا تھا۔ اس کی دل کی جھیل پر گرا تھا اور اسے بری طرح منتشر کر گیا تھا۔

"جذبے کھیل نہیں ہوتے، محبت قیمتی متاع ہوتی ہے ناقدر شناس اس کی عزت اور توقیر کے کانچ کو گدلا کر دیتے ہیں۔" پھر وہی بازگشت اس کی روح پر بوجھ بن کر چبھنے لگی۔ وہ گھبرا کر لان کی کھلی فضا میں نکل آئی۔ شام ڈھل رہی تھی، رات کی تاریکی دھیرے دھیرے اپنے پنجے گاڑ رہی تھی۔

وہ بوگن ویلیا کی باڑھ کے پاس بیٹھ گئی اور کیاری کی گیلی مٹی پر انگلی سے بے مقصد لکیریں کھینچنے لگی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ پا لینے کے احساس کی بدمست خوشی سے کہیں زیادہ بہت کچھ کھو دینے کے احساس کی اذیت ہوتی ہے اور وہ تو مسلسل کھو رہی ہے اور شاید اپنا آپ بھی کھو دے۔

اس کی آنکھیں جلنے لگیں، وہ ناریل کے تنے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے اپنے آپ سے نجات پانے کی سعی کرنے لگی، جیسے اتنا ہی اس کے بس میں ہو۔ اور حقیقت تو یہی ہے کہ غلطی ہماری ہے، جو ہم غیروں کو اپنی تکلیف کا موجب سمجھتے ہیں، غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ خود ہمارے افعال ہماری بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ خواہشات کو پر دے دیے جائیں تو یہ تو پرواز مانگیں گی ہی اور آسمان جتنی وسعت۔

"کیا بات ہے نایاب۔ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" علی کی مدھم اپنائیت بھری آواز اسے بے حد نزدیک سے سنائی دی۔ اس نے سٹپٹا کر سر اٹھایا۔ مگر دوسرے پل جھکا دیا۔ اسے اپنی آنکھوں کی سطح کا گیلا پن محسوس ہوا۔ مگر علی سے اس کی آنکھوں کے زیریں کناروں کی سرخی مخفی نہ رہ سکی، تاہم وہ جیسے نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"خیریت، یہ اتنی تنہائی پسند کب سے ہو گئی ہو تم۔" وہ درخت کے تنے پر ہاتھ جما کر اس کے جھکے سر کو بغور دیکھنے لگا۔

"بس یوں ہی دل چاہ رہا تھا سو یہاں آ بیٹھی۔" وہ سر جھکائے جھکائے گھٹنے پر ٹھوڑی ٹکائے بولی۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہے میرا مطلب کہ شہریار سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا نا۔" وہ قدرے سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ تب وہ سر نفی میں ہلا گئی، اس کا اپنائیت بھرا لہجہ اور اس وحشت ناک کیفیات میں اس کے لمس نے دل پر طمانیت کا احساس طاری کر دیا۔۔۔ پلکوں کی

مضبوط بازو کو جھٹک کر اس نے اس ریلے کو روکا اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھا کر بولی۔
"علی! میرا اس وقت کہیں باہر جانے کو دل چاہ رہا ہے کیوں نہ ہم آئس کریم کھا کر آئیں۔" اسے شاید اس سے اس خواہش یا جملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ہکا بکا رہ گیا، مگر دوسرے پل کسی احساس نے اس کے چہرے کے زاویوں میں کھنچاؤ پیدا کر دیا۔ اس نے سختی سے لب بھینچ کر تنے سے ہاتھ ہٹا کر اپنی ٹراؤزر کی جیبوں میں پھنسا لیے۔
"میں شہریار کو فون کر دیتا ہوں اس کے ساتھ جا کر یہ شوق پورا کر لینا۔"
"مگر میں اس وقت آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔" وہ اس کے بڑھتے قدم پر جلدی سے بولی تو وہ رکا اور پلٹ کر اسے ایک نظر دیکھا، پھر ہلکے سے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔
"ضروری نہیں تمہاری ہر خواہش ہی پوری ہو۔"
وہ اس کی اس سرد مہری پر حیران رہ گئی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر اسے روکے، اس کے سامنے جا کر پھر وہی ضد کرے اور تکرار کرے۔ مگر وہ ایسا کچھ نہ کر سکی۔ ایک دل گرفتگی نے اسے جیسے اندر سے ادھیڑنا شروع کر دیا۔ وہ آہستگی سے اٹھی اور اپنے پورشن میں چلی گئی۔
"نایاب بی بی! آپ کے شہریار صاحب آئے ہیں۔" وہ ٹھٹکی۔ اس کے ہاتھ سے کانچ کا جگ پھسلتے پھسلتے بچا۔
"کیوں؟"
"وہ کہہ رہے ہیں کہ نایاب بی بی کو آئس کریم کھلانے لے جانا چاہ رہے ہیں، جائیے نایاب باجی آپ کی تو موجاں ہی موجاں ہے ـــــ لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر آئس کریم کھانے کا مزا ہی دوسرا ہے۔"
"چپ کرو تم۔" اس نے جھٹکے سے جگ سلیب پر رکھا۔ تو زرینہ کی بقیہ شوخی طراری دم توڑ گئی وہ قدرے سہم کر پیچھے ہٹی۔
"ہم... میں انہیں اندر بلا لوں جی۔" وہ گڑبڑا کر بولی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے اور جا کر کہہ دو نایاب بی بی کی طبیعت خراب ہے وہ ٹیبلٹ کھا کر سو چکی ہیں اگر امی سے اسے بات کرنا ہو تو اندر بلا لینا۔" وہ کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہونے لگیں، غصے کا شدید ترین ابال اندر سے اٹھنے لگا۔ یہ غصہ درحقیقت اسے شہریار پر نہیں، علی پر آ رہا تھا اس کی کمینگی پر۔
زرینہ نے آ کر بتایا کہ وہ جا چکا ہے تو وہ فوراً سے پیشتر اسی طیش کے عالم میں بڑے پورشن میں چلی آئی۔
تائی اماں اپنے کمرے میں تھیں، عشا کی نماز پڑھ رہی تھیں اور لڑکیاں کل کے کمرے میں تھیں۔ وہ سیدھا علی کے کمرے میں چلی آئی۔
وہ اپنے بیڈ روم فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اسے دیکھ کر [illegible]۔ اس کی سلگتی نظروں سے نگاہیں ملیں تو موڑ کر گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔
"آپ نے شہریار کو فون کیا تھا۔"
"ہاں۔" اس نے اطمینان سے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا پھر بوتل فریج میں واپس رکھنے لگا۔
"کیوں؟" وہ بری طرح چیخ پڑی۔
"اس لیے کہ تمہارا آئس کریم کھانے کا موڈ ہو رہا تھا۔" اس نے اسی اطمینان سے جواب دیا۔
نایاب کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے، اس کی سلگتی آنکھوں میں غصے کے ساتھ یکدم بے بسی اور افسردگی اتر آئی۔
"اگر مجھے شہریار کے ساتھ جا کر آئس کریم کھانا ہوتی تو میں خود اسے بلوا سکتی تھی، آپ کو زحمت کی ضرورت نہیں تھی۔"
"میں نے سوچا تم اس کے ساتھ زیادہ انجوائے کرو گی ویسے بھی وہ تمہیں شہر کے سب سے مہنگے پارلر میں لے جاتا اور سب سے مہنگی آئس کریم کھلاتا اور ـــــ"

نایاب نے غصے کے اس سے [illegible] اس کے ہاتھ سے گلاس چھین کر دیوار پر دے مارا، کانچ کا گلاس چھناکے سے ٹکڑے ہو کر قالین پر بکھر گیا۔ علی اس کی اس جرأت اور حرکت پر بے حد حیرانی سے اسے دیکھا، یہاں وہ کب کانپنے لگی تھی۔
"مجھے لگتا ہے آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس طرح کے طنز کریں، اپنی عینک سے اپنے آپ کو دیکھتے یہ آپ کے کمپلیکس ہیں، اپنی محرومی کا اظہار۔" وہ بڑے اطمینان سے مسکرایا، یوں گویا اس کی بات پر مسکرا رہا ہو۔
"یہ میرے نہیں تمہارے کمپلیکس ہیں۔ تمہاری محرومیاں ہیں، میں تو اپنی لائف سے سو فیصد مطمئن ہوں۔" اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر قالین پر بکھرے کانچ پر ڈالیں۔
"سخت غلط حرکت ہے۔ مجھ غریب پر اتنا بار پڑ گیا، قیمتی گلاس تھا۔" اس نے سخت ملامت بھری نظر اس پر ڈالی اس کے طنز آمیز انداز نے اسے تپا دیا تھا اور جھٹکے سے رخ موڑ لیا۔
"ہائے! تمہاری نظر میں اب کیا وقعت اس کی، چلو صاف کرواؤ اسے یہاں سے۔" اس نے یکدم درشتی سے کہا۔
"میں زرینہ کو بھیج دیتی ہوں وہ کر دے گی صاف۔" وہ بڑی بے مروتی اور نخوت سے کہہ کر جانے لگی مگر اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کھینچا۔ یہ جھٹکا بالکل غیر متوقع تھا، وہ لڑکھڑا کر اس کے بازو کے گھیرے میں آتے آتے رہ گئی پھر جھٹکے سے خود کو چھڑانے لگی۔
"صاف کرتی ہے میری جوتی۔"
"چلو جوتی کو ہی زحمت دے دو میری صحت پر کون سا اثر پڑتا ہے۔" ایک ہلکی سی سانس بھر کر اس نے نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔
وہ یکدم عجیب دل گرفتگی کے شدید حصار میں گھر کر اس کی گرفت سے ہاتھ جھٹک کر جھک کر قالین پر بکھرے کانچ سمیٹنے لگی۔
ہمیشہ کی طرح وہ اس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر کے رہ گئی اور غیر ارادی طور پر بالکل گم صم ہو گئی تھی۔
"برش سے صاف کرو، ہاتھ میں لگ جائے گا۔" وہ ڈسٹ بن اٹھا کر اس کے قریب رکھتے ہوئے بولا۔ جس میں برش بھی تھا مگر وہ اس کی بات ان سنی کرتی، کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈالنے لگی، پھر ڈسٹ بن ایک طرف رکھ کر ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہو گئی۔
"اگر کوئی کانچ رہ گیا ہو، اور وہ آپ کو زخمی کر دے تو میں معذرت خواہ ہوں۔" وہ اس کے مسکراتے چہرے پر ایک افسردہ سی نگاہ ڈال کر بولی اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔
عجیب سے احساس میں گرفتار وہ کتنی دیر یوں ہی کھڑا رہ گیا اس کی موجودگی کو محسوس کرتا ہوا پھر ایک گہری سانس بھر کر قالین کے اس حصے کی طرف دیکھا۔
"ایک نہیں بہت سے کانچ تم میرے اندر اتار گئی ہو نایاب! جو زخم ہونے لگے ہیں، ہوا دینے لگے ہیں اور ہمیں خبر ہی نہیں۔"
"کاش میرا دل بھی قالین کا یہ حصہ ہوتا اور تمہاری سبک انگلیاں دھیرے دھیرے ایک ایک کانچ کو اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈالتی جاتیں۔"
اس کے دل کے آس پاس وہی مانوس درد اٹھنے لگا۔ افسردگی روح میں اترنے لگی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس کی شادی کی تاریخ نے گھر بھر کو پر رونق بنا ڈالا تھا۔ آج اس کی مہندی تھی، گل بانو اور صبا صبح سے رشتے دار لڑکیوں اور سہیلیوں کے ہمراہ گانوں کی پریکٹس کر رہی تھیں۔
اور وہ اپنی کھڑکی سے لگی باہر ادھر ادھر سارے ہنگامے کو دیکھ رہی تھی، جو مصروفیت کے اس عالم میں خود سے بھی بیگانہ لگ رہا تھا، سفید کلف لگا شلوار سوٹ پہنے اور سوٹ وہ ہو رہا تھا، جیسے فلم

اس نے ایک اذیت بھرے انداز میں سوچا پھر سانس بھر کر بولی۔

"شہریار احمد! میرے خیال میں دولت، عزت اور محبت میں ہر عورت کا پہلا انتخاب عزت ہوگا پھر محبت اور یوں بھی عورت سے محبت کرنے والا شخص پہلے اسے عزت اور توقیر دیتا ہے۔ اور اس کا یہی رویہ اس کی محبت کا از خود اظہار ہوتا ہے۔ دل کے تعلق محبت سے مضبوط ہوتے ہیں، خواہشات سے نہیں بلکہ محبت، باہمی یگانگت سے بنتے ہیں۔ محض مادی خواہشات کی تکمیل سے نہیں کہ ایک خواہش کے بعد دوسری خواہش کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

عورت تو پرندے کی مانند ہوتی ہے چھوٹا سا کانپتا سہما ہوا مگر چاہت بھرا دل لیے، اس کے پر ہی تو اس کی عزت توقیر اور وقار ہیں جسے وہ پھڑپھڑا کر آسودگی محسوس کرتی ہے، اگر وہی پر کاٹ دیے جائیں، زخمی کر دیے جائیں تو اس کے پاس کیا رہ جائے گا۔ میں آسودگی کے ساتھ پھڑپھڑانا چاہتی ہوں، پر کاٹ کر ایک خوش نما محل میں قید ہو جانے سے میں مر جاؤں گی۔"

اس نے بمشکل بہنے والے آنسوؤں کو روکا اور ریسیور رکھ دیا علی دم بخود دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ وہ پلٹی پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"میں نے یہ بوجھ سر سے اتار دیا ہے۔" پھر اس نے اپنی انگلی سے منگنی کی انگوٹھی اتار کر بیڈ پر پھینکی علی کو حیرت اور صدمے کے اس دھچکے نے کچھ دیر تک کسی بھی ردعمل سے باز رکھا۔ جب کہ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سر جھکائے کھڑی رہی۔ اس کی جھکی پلکیں اور چہرے کی رنگت سے پتا لگ رہا تھا وہ جو کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے۔ اور وہی کچھ کر گزری ہے اور مزید بھی استقامت سے کر گزرے گی۔

یکدم اس کے دل میں غصے کا ابال اٹھا، جو خون کی شریانوں میں بھونچال لے آیا۔ وہ آگے بڑھا، ایک زنانے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا، تھپڑ زوردار بھی تھا اور غیر متوقع بھی، وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میری ساری محنت کا یہ صلہ دیا تم نے، اتنی مشکل سے اس معاملے کو سلجھایا تھا۔ جسے جوڑنے کے میں جتن کر رہا تھا اسے تم نے آن واحد میں توڑ کر رکھ دیا۔ کھیل اور مذاق سمجھ لیا ہے تم نے۔" وہ خون آشام نظروں سے اسے دیکھتا پھر اس کی طرف بڑھا۔

"جانتی ہو کیا کر ڈالا ہے تم نے۔" یکدم اس کی آواز میں دکھ اور تاسف اتر آیا۔

"ہاں بہت اچھی طرح اور کس نے کہا تھا آپ سے کہ اس کے پاؤں پکڑ کر اس رشتے کے قائم رکھنے کی بھیک مانگیں اتنی ارزاں تھی میں آپ کی نظر میں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ جھنجلا کر چلایا۔

"اس طرح کی ڈائیلاگ بازی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اٹھاؤ ریسیور اور ملاؤ شہریار کا نمبر اور اپنے کیے کی معافی مانگو اس سے۔" وہ غرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا کہ وہ ڈک کر اس کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹی پھر انتہائی آزردگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے یکدم رو پڑی۔

"تاباب! تمہیں اندازہ ہے تم کیا کر چکی ہو۔ چچی جان پہلے ہی حالات سے پریشان ہیں اور تمہیں ان کی اس پورے خاندان کی عزت کی رتی بھر پروا نہیں ہے۔ کل وہ کس کس کو منہ دکھائیں گی۔ کیا جواب دیں گی۔"

"بہت فکر ہے آپ کو اس خاندان کے نام کی تو جوڑ لیں مجھ سے رشتہ کر لیں آپ شادی مجھ سے۔" وہ عجیب بے اختیاری کی لپیٹ میں آگئی جرات کے ساتھ اس کے مقابل آن ٹھہری۔ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو رک گئے تھے اور آنسوؤں کی جگہ بالکل نامانوس رنگ نے لے لی تھی۔ جس نے علی کو مبہوت کر دیا۔ اس کی شریانوں میں ابلنے والے غصے کی جگہ حیرت اور بے یقینی نے لے لی۔ پھر اس نے دیکھا یکدم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر جھکا لی تھی۔ اس کے رخسار اس قدر دہکنے لگے کہ اس کی تپش کا اندازہ علی کو اتنے فاصلے سے بھی محسوس ہونے لگا۔

اس کی یہ ساری جرات شاید لمحہ بھر کی تھی یکدم

طلب دکھائی دینے لگی۔ مگر بے اختیاری میں نکلی تھی وہ کمان سے نکلا ہوا تیر تھا۔ کمرے کی فضا میں نامانوس ڈرامائی خاموشی طاری رہی۔ اس خاموشی میں علی کو اپنی سماعتوں پر اپنے دل کی دھڑکن بوجھ کی طرح محسوس ہونے لگی۔

"علی! آپ نے وہ ساری باتیں مجھ سے کبھی نہیں کہیں، وہ جذبے مجھ پر عیاں کیے ہوتے۔ محبت میں تو بہت طاقت ہوتی ہے وہ تو منہ زور بہاؤ کا رخ پھیر دیتی ہے سخت سے سخت چٹان کو پگھلا دیتی ہے۔" اس کی آنکھوں سے دو آنسو پھسل کر رخسار پر ڈھلک گئے۔ پھر وہ ہلکے سے مجروح انداز میں ہنسی۔

"شاید میں ناقدر شناس تھی نا، آپ کے اس جذبے کے کانچ کو گدلا کر ڈالتی۔ نہیں علی! عزت اور محبت تو میری پہلی ترجیح ہیں، ان خواہشات کا محرک بھی تو میری محرومیاں رہی تھیں — عزت اور محبت کی کمی نے میرے سوچنے کا طریقہ بدل ڈالا تھا، ان محرومیوں نے مجھے اس فریب کا شکار رکھا کہ دولت سے عزت، محبت، خوشیاں سب خریدا جا سکتا ہے، دولت ہے تو عزت ہے مگر عزت نفس پر پڑنے والی پہلی ضرب نے ہی میرے اس فلسفے کو بکھیر کر رکھ دیا۔ میرے اس طلسم کو توڑ کر رکھ دیا، میری سوچوں میں دراڑیں ڈال دیں۔ میں ایسی دولت کا کیا کروں گی علی جو اپنی ذات کی نفی کر کے مل رہی ہو، جو بغیر جذبوں کے پھیکے بے رنگ سکوں کی مانند میرے کندھوں پر لاد دی جائے گی کہ میں ساری عمر نہ اٹھا سکوں گی اس بوجھ سے۔"

اس کی آواز آنسوؤں کی یورش سے بھاری ہو گئی۔ آنسو ضبط کرنے میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا مگر علی کو لگ رہا تھا اس کے سارے گرم گرم آنسو اس کے دل میں گر کر اس کی روح کو پگھلائے دے رہے ہوں۔ اس کی انا کے سخت خول کو توڑ رہے ہوں۔ دل میں دبی آگ روشن ہو گئی، جسے وہ چپکے چپکے بجھانے کے جتن کر رہا تھا۔ وہ سرد مہری جانے کہاں جا چھپی جو اس کی ذات کا حصہ بنتی جا رہی تھی شاید ان ہی آنسوؤں نے اسے پگھلایا تھا۔

ایک ہلکی سی سانس بھر کر وہ اس کے قریب آیا۔ وہ کرسی پر بیٹھی سر جھکائے شاید ندامت کے احساس میں مبتلا تھی۔

"محبت ایک دوسرے کے اندر اگنے کا نام ہے تاباب! طلب کرنے اور مانگنے کا نام نہیں، یہ کسی سمجھوتے کا نام نہیں ہے، ایک دوسرے کے اندر ضم ہو کر فنا ہو جانے کا نام ہے۔" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس اپنائیت آمیز احساس پر اس نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔

"جس طرح جگنو کی روشنی اصلی خالص اور ابدی ازلی ہے، کسی کو راستہ سجھانے کے لیے نہیں پھوٹتی بلکہ فطرت کی آنچ سے خود بخود پھوٹتی ہے اسی طرح محبت کی روشنی بھی ازلی اور ابدی ہے جس دل سے پھوٹتی ہے اپنے اردگرد اور قریب آنے والے کے سارے اندھیرے سمیٹ لیتی ہے۔ جگنو کی روشنی کی طرح بے غرض، بے لوث سچی روشنی۔"

اس نے اپنی محبت کی آنچ سے دہکتی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔ پھر نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کر دیا۔

لمس کی اس کرن سے اس کی کلائیوں میں پڑی زرد اور سبز چوڑیاں بج اٹھیں۔ مسحور کن خاموشی میں خفیف سی یہ کھنک دلوں کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہوئی اور رگ و جاں میں انوکھی نغمگی بکھیرتی گزر گئی، ایک خوشبو کا احساس اندر تک اتر گیا۔

میرے چارہ گر
بہت دور تک
بنی کہرے بھی ہوئی
اور راستے مسدود سی
پر تم لوٹ آئے
اس جزیرے کی طرف
جس میں تم ٹھہرے ہو
تم ہو آگے جزیرہ ہو
اور آخری جزیرہ ہو
محبت کے سمندر میں

٭